مکرم راشد محمود منہاس صاحب

عہد نبوی ﷺ میں حفاظت حدیث

دین میں حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے کسی صورت بھی انکار ممکن نہیں۔ قرآن کریم کے بعد دین کی بنیاد سنت و حدیث پر ہی ہے۔ خود قرآن کریم نے بھی اس بات کی گواہی دی ہے کہ احادیث بھی ایک قسم کی وحی میں شامل ہیں۔ فرمایا۔

''نبی کریم ﷺ جو بھی کلام کرتے ہیں وہ وحی کی روشنی میں ہی ہوتا ہے اس میں ان کے اپنے نفس کی ذرا برابر بھی ملونی نہیں ہوتی۔'' (النجم 4.5)

قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی ذات کو صرف ایک پیامبر کی صورت میں ہی پیش نہیں کرتا بلکہ قرآنی نصوص و اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ معلم بھی تھے، حاکم بھی تھے، قاضی بھی تھے اور سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کر کے ان کو ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ آپ کی ذات کو قرآن ایک اسوہ حسنہ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ فرمایا۔

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے۔ (الاحزاب:22)

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا۔

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو'' (سورۃ محمد آیت 34)

اور اس کے بعد رسولؐ کی نافرمانی کرنے والوں کو عذاب سے بھی ڈرایا گیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ (سورۃ الجن آیت: 24)

''اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔''

اور خود نبی کریم ﷺ نے بھی ایک امتی کیلئے اپنے اسوہ کو خوب کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور ہر عمل میں اپنے آپ کو ایک اسوہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ جیسا کہ نماز کے بارے میں فرمایا۔

''نماز اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو''

(بخاری کتاب الأذان باب الاذان للمسافر، اذا کانوا جماعة)

اسی طرح حج کے بارے میں فرمایا۔

''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔ شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کرسکوں۔''

(صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب رمی الجمرۃ راکبا)

اسی طرح قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے بھی حدیث کی ضرورت ہے۔ خود قرآن کریم بھی اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے فرمایا۔

''اور ہم نے تیری طرف بھی ذکر اتارا ہے تا کہ تو اچھی طرح لوگوں پر اس کی وضاحت کر دے جو ان کی طرف نازل کیا گیا تھا اور تا کہ وہ تفکر کریں۔'' (النحل آیت: 45)

اور صحابہ کرام کو جب بھی کوئی آیت سمجھ نہ آتی تو وہ نبی کریم ﷺ سے ہی سوال کیا کرتے تھے۔ اگر صرف قرآن ہی کافی ہوتا تو اس سوال و جواب کی کوئی ضرورت نہ پڑتی۔ غرض یہ کہ اسلام میں حدیث کی اہمیت مسلم ہے۔ اور اس سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں۔ اگر اس بات کا انکار کیا جائے تو اسلام کا ایک حصہ گویا ہم اپنے ہاتھ سے کاٹ رہے ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

''پس حدیث کا قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے۔''

منکرین حدیث کے دلائل

حدیث کی اس اہمیت کے باوجود ایک گروہ نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور درج ذیل باتوں کو بنیاد بناتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے۔

1۔ احادیث کی جمع و تدوین کا کام عہد رسالت کے دو تین سو سال بعد شروع ہوا۔ جو چیز اتنی مدت کے بعد مدون کی گئی ہو اس پر ہم مذہب کی بنیاد کیسے رکھ سکتے ہیں۔

2۔ اگر حدیث اس قدر ہی اہم تھی تو اس کی حفاظت کا نبی کریم ﷺ نے خود اس طرح انتظام کیوں نہ کیا جس طرح قرآن کا کیا۔

3۔ رسول اللہ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع کیا۔ اور صحابہ کو احادیث لکھنے سے منع فرمایا۔

خلاصہ یہ کہ اگر اسلام میں احادیث اس قدر ہی اہم ہیں تو خود اس کی حفاظت کا انتظام نبی کریم ﷺ نے کیوں نہ کیا بلکہ اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو لکھنے سے منع فرمایا۔

اگر فی الواقعہ یہی حقیقت ہو تو بلاشبہ حدیث سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ مگر جب ہم حدیث کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ حدیث گویا نبی کریم ﷺ کے دو سو سال بعد وجود میں آئی اس سے پہلے اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں حدیث کی حفاظت کا انتظام صرف کتابت کی صورت میں ہی نہیں بلکہ اس کی حفاظت کیلئے اور بھی ذرائع استعمال کئے گئے مثلاً حفظ اور عملی زندگی میں اس کا لاگو کرنا۔

حفاظت حدیث کے قدرتی عوامل

دنیا میں کسی بھی قوم، ملک یا زمانے کی تاریخ کی تدوین کے وقت جو عام طور پر اصول اپنایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کے نام و نشان تک بھی معلوم نہیں ہوتے۔ پھر ان افواہوں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانے کے بعد یہی ایک دلچسپ تاریخ بن جاتی ہے۔

حفاظت حدیث کے عوامل

اس کے برعکس حدیث ایک بڑے ٹھوس ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس کی حفاظت کے کئی عوامل ہیں جن سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں۔

1۔ صحابہ کرام اور نبی کریم ﷺ کا تعلق

دوسرے تاریخی مجموعوں اور حدیث میں ایک بڑا واضح فرق یہ ہے کہ اس کو روایت کرنے والوں کا تعلق اپنے محبوب سے ایسا تھا کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ سے بے حد عشق کرتے تھے۔ اس کی ایک جھلک عروہ بن مسعود ثقفی کے اس بیان میں مل سکتی ہے۔ جو اس نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر دیا۔ وہ قریش کے پاس نبی کریمؐ اور آپ کے صحابہؓ کا تعلق بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

''لوگو خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقعہ ملا ہے۔ قیصر روم، کسریٰ ایران اور نجاشی ابی سینا کے سامنے حاضر ہوا ہوں قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جب وہ تھوکتے ہیں تو نیچے نہیں گرتا ہے وہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ پر گرتا ہے پھر وہ اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے محمد جب کسی بات کا انہیں حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں۔ جب محمد وضوء کرتے ہیں تو اس وقت ان کے وضوء کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں۔ جب محمد بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں۔ محمد کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی وجہ سے وہ نہیں دیکھ سکتے۔

یہ ایک دوست کی نہیں بلکہ ایک دشمن کی گواہی ہے۔ اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس قوم کا اپنے آقا و مولا سے اس قدر تعلق ہو وہ اس کے بارے میں غلط بیانی کیسے کر سکتے ہیں۔ اور پھر اس کی غلط بیانی پر دوسرے سارے خاموش رہے ہوں۔ جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہونے والی ہر چیز کو حاصل کرنے کے لئے لڑنے کو تیار ہو جاتے تھے ان کے نزدیک آپ کے اقوال کی کیا قیمت ہوگی اس بات کا اندازہ کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔

بخاری میں ہے حضرت عبیدہ تابعیؒ جن کو حضرت انسؓ خادم رسول ﷺ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا ایک موئے مبارک ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں۔

میرے پاس کسی بال کا ہونا، اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب میرے پاس ہو۔

(بخاری کتاب الوضوء باب الماء الذی یغسل به شعر الانسان)

بہرحال اس بات سے کسی طور پر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث کی حفاظت کا ایک بڑا ذریعہ نبی کریم سے صحابہ کرام کا عاشقانہ تعلق ہے۔

اس تعلق کو اس دور میں حضرت مسیح موعود نے جو آپ ﷺ کے سچے عاشق ہیں بیان کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''بہرحال احادیث کا قدر کرو۔ اور اُن سے فائدہ اُٹھاؤ کہ وہ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں۔ اور جب تک قرآن اور سنت اُن کی تکذیب نہ کرے تم بھی اُن کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ چاہئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کاربند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو۔ اور نہ سکون اور نہ کوئی فعل کرو۔ اور نہ ترکِ فعل۔ مگر اس کی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو''

ادھر بھی حضرت مسیح موعود نے احادیث پر عمل کرنے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمارے پیارے نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں اور جو چیز بھی ہمارے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہوگی اس کی اہمیت ہمارے نزدیک بہت ہو جائے گی۔

2۔ صحابہ کرام کا حضور ﷺ کی باتیں سننے اور یاد کرنے کا شوق

احادیث کے محفوظ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو احادیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ اس کی خاطر سب کچھ بھول جاتے تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر صرف اور صرف احادیث سننے اور یاد کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ ہے اور ان کے علاوہ اصحاب صفہ بھی تھے۔ خود حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ اب لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ بہت روایت کرتا ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں مہاجرین بھائی منڈیوں میں خرید و فروخت میں مصروف ہوتے اور انصار اپنی جائیدادوں میں مصروف ہوتے۔ اور ابو ہریرہ اپنا پیٹ بھر کر رسول اللہ ﷺ سے لپٹا رہتا تھا اور وہ ان موقعوں پر حاضر رہتا جہاں وہ حاضر نہ ہوتے۔ اور وہ باتیں یاد رکھتا جو وہ یاد نہ رکھتے۔

(بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم)

پھر وہ صحابہ جن کو کلی فراغت حاصل نہیں تھی وہ تحصیل علم کے لئے دوسرے صحابہ سے باری مقرر کرتے۔ اسی شوق کے تحت یہ روایات ملتی ہیں کہ بعض صحابہ نے ایک دوسرے سے باری مقرر کی ہوئی تھی کہ ایک دن وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا اور اس دن میں ہونے والے سارے واقعات اور روایات سے اپنے ساتھی کو مطلع فرماتا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرا

ایک پڑوسی بنوامیہ بن زید میں رہتے تھے۔اور یہ مدینہ کے ان گاؤں میں سے ہے۔جو آس پاس اونچی جگہ پر واقع تھے اور ہم باری باری رسول اللہ کے پاس جاتے۔ایک دن وہ جاتا اور ایک دن میں جاتا اور جب میں جاتا تو میں اس دن کی وحی وغیرہ کی خبریں اس کے پاس لاتا اور جب وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

(بخاری کتاب العلم باب التناوب فی العلم)

3۔آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرام کی تعلیم کا اہتمام کرنا

احادیث کے محفوظ ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کی تعلیم کا خیال رکھا اور مختلف طریقوں سے صحابہؓ کو علم کی روشنی سے منور فرمایا۔اور کوئی موقعہ بھی صحابہؓ کی تعلیم کا ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔اس کی مثال جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا اس سے ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے ان حالات میں جب آپ پر ہر طرف سے عرصہ حیات تنگ کیا جارہا تھا صحابہ کی تعلیم کو اہمیت دی اور جنگ کے قیدیوں کا فدیہ یہ مقرر کیا کہ دس دس بچوں کو تعلیم دے دیں۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 2 صفحہ 260 زیر عنوان غزوہ بدر)

نبی کریم صحابہ کی تعلیم کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ مخالفین کو بھی اس بات کا اقرار کرنا پڑا کہ تمہارا نبی تو تم کو ہر بات کی تعلیم دیتا ہے حَتّٰی الْخِرَاءَۃ یعنی کہ تمہارا نبی تو تم کو اس قدر تعلیم دیتا ہے جہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ وغیرہ کے متعلق بھی ہدایت دیتا ہے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ باب الاستنجاء بالحجارۃ)

پھر نبی کریم ﷺ اپنے دور میں عورتوں کی تعلیم کا بھی خیال رکھا۔اس بارے میں روایت آتی ہے کہ آپ ﷺ ہفتہ میں ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لئے مخصوص کیا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب العلم باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ علی العلم)

غرض احادیث کی حفاظت کا انتظام نبی کریم ﷺ نے اس طرح بھی کیا کہ صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھادیا۔اور اس طرح حدیث محفوظ ہوگئی۔

4۔نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام کے اعمال پر نظر رکھنا

نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر حدیث کو صحابہ کی زندگیوں میں داخل کر دیا تھا۔اور صحابہ کے اعمال کی درستگی ساتھ ساتھ فرماتے جاتے کہ کس طرح اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ صحابہ ایک دفعہ وضو کر رہے تھے اور نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا اس لئے جلدی کر رہے تھے۔صحابہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے پاؤں پانی سے پونچھنا شروع کر دیا۔اس پر آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ہائے شامت ان ایڑیوں کی آگ سے۔یہ دو دفعہ یا تین دفعہ فرمایا۔

(بخاری کتاب العلم باب من رفع صوتہ بالعلم)

پھر ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جو جلدی جلدی نماز ادا کر رہا تھا آپ نے اس کو فرمایا کہ صَلِّ اِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ ۔پھر آپؐ نے ان کو نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ بتایا۔

(بخاری کتاب الاذان باب وجوب القراءۃ للامام و المامومِ فی صلوات کلھا)

اس ضمن میں بے شمار روایات ملتی ہیں۔مگر انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

5۔صحابہ کرام کا آپؐ سے مسائل دریافت کرنا

پھر احادیث کے محفوظ ہونے کا ایک یہ بھی سبب بنا کہ صحابہ کرام خود نبی کریم سے پیش آنے والے مسائل دریافت کرتے۔اور پھر ان جوابات کو اپنی زندگیوں میں لاگو کرتے۔صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی باتوں کو نہایت غور سے سنتے اور مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم ایسے نبی کریم کی باتوں کو سنتے جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اگر ہم نے حرکت کی وہ پرندے اڑ جائیں گے۔

پھر صحابہ کے بارے میں روایات آتی ہیں کہ وہ نبی کریم سے سوال کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ نے اس بات کو اچھا قرار دیا اور فرمایا کہ

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَمْنَعْھُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَتَفَقَّھْنَ فِی الدِّیْنِ

یعنی اچھی عورتیں تو انصار کی عورتیں ہیں۔انہیں شرم اس بات سے نہیں روکتی کہ وہ دین سیکھیں اور سمجھیں۔

(بخاری کتاب العلم باب الحیاء فی العلم)

اس ضمن میں بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ صحابہ کرام کس طرح مواقع تلاش کرتے تھے کہ کس طرح علم حاصل کرسکیں۔روایت کرتے ہیں کہ ہم اس بات کا انتظار کرتے تھے کہ کوئی بدوی آئے اور سوال کرے اور ہم اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

غرض صحابہ کرام کو حدیث کو سننے کا ایک جنون طاری تھا۔اور وہ بہانے ڈھونڈتے تھے کہ کسی طرح کوئی حدیث سننے کا موقع مل جائے۔

6۔آنحضرت ﷺ کا صحابہ کو تلقین کرنا کہ آپ کی باتیں دوسروں تک پہنچائیں۔

ایک اور سبب حدیث کے محفوظ ہونے کا یہ ہے کہ نبی کریم نے اپنے صحابہ کو تعلیم دی کہ تم میری باتیں دوسرں تک پہنچانا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ میرے بعد لوگ تم سے علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے۔تم ان تک میری باتیں پہنچانا۔اور سننے والوں کو فرمایا کہ تم ان باتوں کو دوسرں تک پہنچاؤ۔فرمایا۔

چاہئے کہ جو حاضر ہے وہ غیر حاضر کو پہنچا دے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حاضر ایسے شخص کو پہنچائے جو اس سے زیادہ یا درکھنے والا زیادہ سمجھنے والا ہو۔

(بخاری کتاب العلم باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع)

پھر نبی کریم ﷺ کا آنے والے وفود کو یہ ہدایت فرمانا کہ تم نے جو باتیں سیکھی ہیں ان کو یاد رکھو اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو سکھاؤ۔روایت ہے کہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ اور انہیں سکھاؤ۔

(بخاری کتاب العلم باب تحریص العلم وفد عبدالقیس علی ان یحفظوا الایمان)

پھر صحابہؓ کا احادیث کو یاد رکھنا اور ان کو آگے روایت کرنے کی ایک وجہ نبی کریم ﷺ کی وہ دعائیں ہیں جو آپؐ نے روایت کرنے والوں کے حق میں کی فرمایا۔

خدا تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور اس کو ویسا ہی آگے پہنچایا جیسا کہ سنا تھا۔

(ترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع)

7۔حفاظت حدیث بذریعہ حفظ

نبی کریم جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم امی قوم تھی۔گنتی کے چند افراد لکھ پڑھ سکتے تھے۔ان میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔وہ لوگ بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ان کے شعراء،خطباء اور رواۃ ہزاروں اشعار،ضرب الامثال اور واقعات کے حافظ ہوتے تھے۔شجرہ ہائے نسب کو محفوظ رکھنا ان کا معمول تھا۔بلکہ وہ تو اپنے گھوڑوں کے بھی نسب نامے یاد رکھتے تھے۔ان صلاحیتوں کی موجودگی میں جب ان عربوں کو قرآن پاک اور رسول اکرم ﷺ سے بے حد محبت ہوئی تو انہوں نے قرآن و حدیث کو حفظ کرنا شروع کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ سے حدیثیں سنتے۔اور جب آپ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دورہ کرتے۔یکے بعد دیگرے ہم میں سے ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا۔اکثر مجلس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہوتی۔اور وہ سب باری باری بیان کرتے۔پھر جب ہم اٹھتے تو حدیثیں یوں یاد ہوتیں گویا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہوگئی ہوں

(مجمع الزوائد کتاب العلم باب فی مدرسۃ العلم)

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی حدیث کے حفظ کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔اور جو کوئی حافظے میں کمزور ہوتا وہ اس کے حل کی کوشش کرتا۔اس ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ ملتا ہے۔کہ جو صرف حدیث کی تلاش میں سارا سارا دن نبی کریم ﷺ کے دربار میں حاضر رہتے۔اور فاقے برداشت کرتے مگر ان کی خواہش ہوتی کہ کوئی لفظ بھی نبی کریم ﷺ کا ان کے سننے سے رہ نہ جائے اسی لئے سب صحابہ سے زیادہ روایات ان سے ہی مروی ہیں۔وہ خود بیان کرتے ہیں کہ شروع میں ان کا حافظہ کمزور تھا اور وہ اس کی وجہ سے کافی پریشان رہتے تھے کہ وہ اتنی تکلیف بھی برداشت کرتے ہیں اور ان کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔یعنی وہ ارشادات نبوی ﷺ سنتے تو ہیں مگر ان کو یاد نہیں رہتے۔اپنی اس کمزوری کا اظہار وہ حسرت کے رنگ میں نبی کریم ﷺ سے کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ ان کو اس سے منع نہیں فرماتے کہ ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپؐ حضرت ابوہریرہؓ کے سوء حفظ کا علاج فرماتے ہیں تا کہ وہ آپؐ کے ارشادات کو سن کر یاد رکھ سکیں۔آپؐ حضرت ابوہریرہؓ کو اپنی چادر پھیلانے کو کہتے ہیں اور پھر اس چادر میں اپنے دونوں ہاتھوں سے چلو بھر کر ڈالا۔پھر فرمایا کہ اس کو اکٹھا کرلو۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسے اکٹھا کرلیا۔اس کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولتا تھا۔

(بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم)

8۔عہد نبوی میں کتابت حدیث

عہد نبوی میں حفاظت حدیث کا انتظام کتابت کے ذریعے بھی کیا گیا۔زمانہ نبوی کے آغاز میں جب کہ ابھی قرآن کا نزول شروع ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی حفاظت اور حدیث سے تفریق کیلئے احادیث کے لکھنے سے منع فرمایا تھا۔بعد میں جیسا کہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود نبی کریم نے حدیث لکھنے کی اجازت دی اور لکھنے کا ارشاد فرمایا۔اس دعوی کی تائید میں اس جگہ اختصار کی غرض سے صرف صحابہ کے زمانہ کی چند مثالیں درج کریں گے۔

ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک انصاری شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں آپ کی باتیں سنتا ہوں مگر مجھے یاد نہیں رہتیں۔آپؐ نے فرمایا۔تم اپنے دائیں ہاتھ کی مدد حاصل کر کے میری باتوں کو لکھ لیا کرو۔

ایک اور واقعہ ملتا ہے جس سے حدیث کی عہد نبوی میں کتابت کا ثبوت ملتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے جب صحابہ کے یہ کہنے پر کہ آنحضرت ﷺ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصہ میں ہوتے ہیں اور تم سب لکھتے جاتے ہو یہ درست نہیں ہے لکھنا چھوڑ دیا۔جب یہ خبر آنحضرت ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔

”بے شک تم لکھا کرو خدا کی قسم میری زبان سے جو کچھ نکلتا ہے حق اور راست نکلتا ہے۔“

(ابو داؤد کتاب العلم باب کتابۃ العلم)

چنانچہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمروؓ آپ ﷺ کی باتیں لکھ کر محفوظ کرلیا کرتے تھے۔چنانچہ بخاری میں آتا ہے۔

”حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے کسی صحابی کی مجھ سے زیادہ احادیث محفوظ نہیں ہیں۔سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ ان کی

عادت تھی کہ حدیث سن کر لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔"

(بخاری کتاب العلم باب کتابة العلم)

حضرت علیؓ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ان کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس میں انہوں نے حدیثیں لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے۔

"ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے یہ دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سوائے قرآن شریف کے اور کچھ نہیں۔ ہاں ایک مسلمان کی خدا داد عقل ہے جس سے وہ خود سوچ کر اور قیاس کر کے فتویٰ معلوم کر سکتا ہے۔ البتہ میرے پاس یہ ایک لکھا ہوا صحیفہ ضرور موجود ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے فرمانے لگے کہ اس میں فلاں فلاں مسئلہ کے متعلق چند حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔"

(بخاری کتاب العلم باب کتابة العلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کا بھی یہی طریق تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خاص خاص باتوں کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

پھر ایک اور روایت میں آتا ہے کہ

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں یہ یہ کچھ فرمایا۔ اس پر ایک یمنی شخص نے آگے بڑھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھ دیجیے۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ خطبہ اسے لکھ کر دیا جائے۔

(بخاری کتاب العلم باب کتابة العلم)

اس کے علاوہ عہد رسالت کے فرامین مبارک اور سرکاری مراسلے جو محاصل زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق ہیں نیز وہ دعوت نامے جو سرکار دو عالم ﷺ نے مختلف حکمرانوں یا قبیلے کے سرداروں کے نام ارسال فرمائے تھے وہ سب کے سب احادیث اور سیرت کی کتابوں اور تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ مثلاً

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ گئے تو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ اور ایک دستور مملکت نافذ فرمایا۔ یہ تاریخ عالم میں سب سے پہلا تحریری دستور مملکت ہے۔

(ابن ھشام)

صلح حدیبیہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ اس میں تحریر کے بارے میں اختلاف ہوا تھا اور پھر نبی کریم ﷺ نے الفاظ کو مٹا کر کفار کے مطالبہ کے مطابق کر دیئے تھے۔

اس طرح سفر ہجرت میں سراقہ کو آپ ﷺ نے پروانہ امن لکھ کر دیا۔ (ابن ہشام)

پھر آنحضرت ﷺ نے جو تبلیغی خطوط قیصر و کسریٰ، مقوقس و نجاشی وغیرہ حکمرانوں کو ارسال فرمائے تھے ان میں سے بعض آج تک محفوظ ہیں۔ اور قیصر کو لکھا جانے والا خط ابھی تک محفوظ ہے۔

پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ انتظامی ضرورتوں کے تحت اکثر اپنے ہر جگہ کے گورنروں، قاضیوں، تحصیلداروں، وغیرہ کو وقتاً فوقتاً اپنی ہدایات ارسال فرماتے رہتے تھے۔ پھر یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی عمر کے آخری ایام میں زکوٰۃ یعنی زراعت، ریوڑوں، معدنیات، وغیرہ میں حکومت کو ادا طلب محصول کی شرطیں تحریر کروائیں۔ لیکن ان کو اضلاع وغیرہ میں بھیجنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور بعد میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس پر عمل کیا اور اسے سارے گورنروں کو ارسال کیا اور اس پر عمل کی تلقین کی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰة)

عہد نبوی میں حدیث کے کتابی صورت میں موجود ہونے کے بارے میں ایک یہ روایت بھی ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے کچھ عرصہ قبل قبیلہ جہینہ کی طرف ایک تحریری حکم ارسال کیا تھا کہ وہ مردار کی کھال استعمال نہ کریں۔

(ترمذی باب ماجاء فی جلود المیتة)

پھر آنحضرت ﷺ کا خطوط اور دوسری تحریرات پر ثبت کرنے کیلئے مہر بنوانا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس دور میں آپ سے کئی تحریرات وجود میں آئی تھیں۔

(بخاری کتاب اللباس باب نقش الخاتم)

یہ تمام باتیں ثابت کرتی ہیں کہ احادیث نبی کریم ﷺ کے دور میں ہی محفوظ صورت میں موجود تھیں اور یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ احادیث نبی کریم سے ایک لمبا عرصہ بعد جمع کی گئیں تھیں اس لئے قابل اعتبار نہیں ہیں۔

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔

"ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنی درجے کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔"

☆..........☆..........☆

مکرمہ مبارکہ پروین احمد صاحبہ

ہمارے پیارے ابو جان مکرم کرامت اللہ فضل صاحب

1952ء کے سال میں ہمارے دادا جان مکرم رحمت علی صاحب اور مکرمہ دادی جان عائشہ بیگم صاحبہ کے آنگن میں ہمارے پیارے ابو جان مکرم کرامت اللہ فضل صاحب پیدا ہوئے۔

ہمارے دادا جان کے گھر میں ان کی شادی کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ بچوں کی پیدائش ہوئی۔ لیکن پیدائش کے بعد ان کے بچے وفات پا جاتے تھے جس کی وجہ سے دادی جان اور دادا جان مرحومین بہت زیادہ غم زدہ اور پریشان تھے۔ آخر کار خلیفة المسیح الثانی کی دعاؤں کے طفیل ان کو اللہ تعالیٰ نے نیک، صحت مند اور لمبی عمر والے بچے سے نوازا۔ انہوں نے اس بچے کا نام بھی خلیفة المسیح الثانی سے رکھوایا اور ان کی پیدائش پر خلیفة المسیح کے گھر کے کپڑے بطور برکت کے پہنائے اور ان کی پیدائش سے پہلے ہی اس بچے کو اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ اس بچے نے بھی ماں باپ کی دعاؤں اور توقعات پر پورا اترنے کی زندگی بھر کوشش کی۔ چنانچہ ہمارے ابو جان نے میٹرک پاس کرنے کے بعد جنوری 1973ء میں وقف جدید کے تحت معلم کلاس میں داخلہ لیا اور پھر اس سلسلے کو قائم رکھتے ہوئے میدان جہاد کا آغاز فروری 1974ء میں مہدی آباد ضلع نواب شاہ سے کیا۔ مارچ 1976ء میں اس جماعت سے حمید آباد ضلع بہاولپور میں تقرری ہوگئی۔ اس کے بعد مارچ 1979ء تا دسمبر 1982ء نگر پارکر ضلع تھرپارکر میں ہمارے ابو جان کا قیام رہا اس کے بعد کچھ عرصہ اوباڑو ضلع سکھر میں بھی خدمت دین کا موقع ملا پھر شیخوپورہ، خانیوال، گجرات، بہاولنگر، آزاد کشمیر، لیہ فیصل آباد، سیالکوٹ غرض کہ زندگی کے سفر کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت میں تادم آخر مختلف صورتوں میں مصروف رہے۔

ہمارے ابو جان مرحوم نے اپنی عائلی زندگی کا آغاز بھی اللہ کے فضل اور اپنے بزرگوں کی دعاؤں کے سائے تلے 30 دسمبر 1974ء کو ہماری پیاری امی جان مکرمہ صفیہ بیگم صاحبہ سے شادی کر کے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کو پانچ بچوں سے نوازا جن میں دو بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ ہمارے ابو جان نے اپنا 35 سالہ ازدواجی سفر بھی نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اپنے ماں باپ، چھوٹے بہن اور 3 بھائیوں کا بھی ہمیشہ بہت خیال رکھا اور ابو جان کی اسی صلہ رحمی اور نیک سلوک کا ہی اثر تھا کہ ان کے بہن بھائی اور ماں باپ اور رشتہ دار بھی ان سے محبت اور احترام کا سلوک کرتے تھے۔

ہمارے ابو جان کے ساتھ ان کے والدین کا خاص سلوک تھا کیونکہ بہت زیادہ دعاؤں کے بعد ان کے ہاں زندگی والا بچہ پیدا ہوا تھا اس وجہ سے ہماری دادی جان اس خاص انس کے ساتھ ساتھ ہمارے ابو جان کے بارے میں فکرمند رہتی تھیں چنانچہ ایک دفعہ دادی جان نے اپنے خواب کا ذکر کیا کہ اس طرح سے میرا یہ بچہ ابھی چھوٹا ہی تھا اور پھر میں ہمیشہ اس کے بارے میں فکرمند رہتی تھی تو مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ نے کسی بزرگ خاتون سے ملوایا اور اس خاتون نے مجھ سے کہا کہ بہن تیرے اس بچے پر بہت سی مشکلات بھی زندگی میں آئیں گی لیکن ہر بار آخر میں تیرا یہ بچہ ہی کامیاب ہوگا انشاء اللہ تم بس اتنا کیا کرو کہ ہمیشہ صدقہ دیتی رہا کرو۔ دادی جان مرحومہ نے بتایا کہ اس خواب کے بعد میں نے ہمیشہ اس کے نام کا صدقہ دیا ہے اور پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ واقعتاً ہمارے ابو جان کو زندگی میں کئی دنیاوی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ ان کا ساتھ دیا اور ان کو کبھی کسی موڑ پر اکیلا نہیں چھوڑا اس وجہ سے انہوں نے ہمیں بھی ہمیشہ یہ سبق دیا۔

تربیت کے پہلو سے ہمیشہ انہوں نے ہمیں یہ سکھایا کہ تمام بنی نوع انسان نے خواہ غریب ہو یا امیر ہو محبت سے پیش آنے اور ہنس کر بولنے سے عزت بڑھتی ہے۔

حضرت خلیفة المسیح الرابع کے ارشاد پر ہمارے ابو جان نے حکمت کا علم بھی حاصل کیا اور اللہ کے فضل سے بہت سے لوگوں نے زندگی میں ان سے روحانی شفاء کے ساتھ ساتھ جسمانی شفاء بھی حاصل کی۔ ہمارے ابو جان مہمان نواز، دعا گو، دوسروں کا خیال رکھنے والے، ہمدرد، شفیق، کبھی کسی کا برا نہ چاہنے والے، صلہ رحمی کرنے والے غرض کہ بنی نوع کے لئے سراپا محبت تھے۔

1993ء میں ہمارے ابو جان کو شوگر کا مرض لاحق ہو گیا تھا دعاؤں کے ساتھ ساتھ دوائیوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا اور پھر آخر میں ان کے گردے خراب ہو چکے تھے جس کی وجہ سے ان کو ڈائیلسز کے تکلیف دہ مرحلہ سے بھی گزرنا پڑا صحت دن بدن کمزور ہوتی گئی اور پھر آخر کار خدائی تقدیر غالب آئی اور پھر 11 دسمبر 2009ء کو ہمارے ابو جان اپنے آقا کے حضور حاضر ہوگئے۔

ہمارے ابو جان اللہ تعالیٰ کے فضل سے نظام وصیت سے 1969ء میں منسلک ہو گئے تھے ان کی وفات سے چند دن قبل نیا بہشتی مقبرہ بمقام نصیر آباد ربوہ مکمل ہو کر تدفین کے لئے تیار ہو چکا تھا اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمارے ابو جان نے ہمارے ماموں جان مکرم بشیر احمد صاحب سے ذکر کیا کہ دیکھیں اس بہشتی مقبرہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کس کا نمبر لگاتا ہے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ وہ پہلے خوش نصیب وہی ہیں جو اس نئے بہشتی مقبرہ میں تدفین کیلئے آئیں گے۔ چنانچہ اس بہشتی مقبرہ میں سب سے پہلی قبر ہمارے ابو جان مرحوم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلند تر کرتا رہے اور ہم سب بہن بھائیوں کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کی خدمت کرنے کی اور ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے کی توفیق ہمیشہ دیتا چلا جائے اور یہ سلسلہ آگے ان کی نسل میں ہمیشہ چلتا چلا جائے اور ہماری امی جان کو بھی صحت و سلامتی والی لمبی عمر سے نوازے۔ آمین

☆..........☆..........☆

اداریہ

کرشن ثانی کا انتظار ختم ہوا

آج سے قریباً 5 ہزار سال قبل ہندوستان کے ایک مقدس نبی حضرت کرشنؑ کو یہ خبر دی گئی کہ دنیا میں جب پھر ضلالت اور گمراہی کا دور دورہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں پھر دنیا میں مبعوث کرے گا۔

الٰہی سنت کے مطابق اس استعارہ کا مفہوم یہ تھا کہ ان جیسی طاقتیں اور خوبیاں رکھنے والے فرد کو ان کی قوم کی اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔

گیتا اور مہابھارت میں حضرت کرشن کی دوبارہ آمد کی جو علامات بیان کی گئی ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے شری ویاس جی مصنف مہابھارت لکھتے ہیں۔

”جس وقت کلجگ آ گیا سمجھ لیجئے کہ دنیا کی ہوا پلٹ گئی۔ وہ وہ پاپ وہ وہ گناہ ہوں گے کہ زمین کانپ اٹھے ہوگی۔ لڑکے والدین کو بے وقوف سمجھیں گے۔ رضا جوئی فرمانبرداری کیسی۔ عورتیں لڑائی جھگڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم رکھیں گی۔ لوگ ادھرم کریں گے۔ دھرم کو فضول اور واہیات سمجھیں گے۔ جب اس طرح دھرم کا پیالہ چھلکنے کو ہوگا تو بھگوان جی کو تکلیف کرنا پڑے گی۔ کلکی اوتار میں جلوہ دکھائیں گے۔ پاپ کی ناؤ ڈبوئیں گے اور دھرم کی بیل پھر ہری بھری ہوگی۔“

(مہابھارت بن پرب 689)

پھر اس کلکی اوتار کے مخصوص کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”نہہ کلکی کی طاقتیں غیبی ہوں گی۔ طاقت میں بے نظیر، عقلمندی میں یکتائے روزگار۔ یوں تو نہ کوئی ہتھیار پاس ہوگا نہ لڑائی کا اوزار۔ مگر ایک اشارے میں سب کچھ موجود ہو جائے گا۔“

(بحوالہ الفضل 24 ستمبر 1938ء)

ہندو لیڈر بلکہ مسلمان علماء بھی اس بات پر متفق ہیں کہ یہی زمانہ کرشن کی علامات کو پورا کرنے والا اور منتظر ہے۔ پہلے مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب کا یہ بیان ملاحظہ ہو۔

”فی ہزار نو سو ننانوے اشخاص دھرم سے تہت (مذہب سے ہٹے ہوئے) ہیں چین و جاپان مع اکثر حصہ یورپ کے خدا سے منکر ہو کر مذہب کو جواب دے چکا ہے۔ باقی جو مذہب کا نام لیوا ہے۔ وہ مسیح پرست اور صلیب پرست ہے۔ براعظم افریقہ بھی ایسا ہی ہے۔ امریکہ تو فراعنہ کا ملک بن رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ جس میں کوئی قوم ہم کو مذہب و دھرم کی پابند نظر نہیں آتی اور یہ روز بروز ترقی پکڑ رہی ہے۔“

(اہلحدیث 16 ستمبر 1938ء)

پھر لکھتے ہیں۔

اگر کرشن جی کے کلام کے صحیح معنے یہ لئے جائیں۔ تو یہ زمانہ مقتضی ہے کسی مصلح اعظم کے آنے کا۔“

(اہلحدیث 16 ستمبر 1938ء)

1938ء میں ہندو اخبار ملاپ نے کرشن نمبر شائع کیا۔ جس میں ان کی آمد ثانی کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کی آمد کی بار بار التجا کی گئی ہے۔ چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

1۔ بسمل الہ آبادی ”ضرورت ہے کرشن کی“ کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

بسمل اٹھا ہے فتنہ زمانے میں ہر طرف   بھارت کو ایسے وقت ضرورت ہے کرشن کی

2۔ سیماب الہ آبادی لکھتے ہیں۔

جب مذہب پہ زد آتی ہے   اور دہریت بڑھ جاتی ہے
جب روح پہ غفلت چھاتی ہے   اور مادیت انگڑاتی ہے
اس وقت میں پیدا ہوتا ہوں   جب ظلم کا ہوتا ہے چرچا
مٹتی ہے جہاں سے رسم وفا   جب مذہب اور صداقت کا
احساس نہیں کرتی دنیا   اس وقت میں پیدا ہوتا ہوں

3۔ بابو کشن لال ثاقب بریلوی لکھتے ہیں۔

اے پیارے کرشن آجا   پھر بانسری بجا جا

4۔ شری یت ایم۔ پی کیدار آئی ڈی۔ ڈی لاہور صاحب کہتے ہیں۔ کیا نہیں آؤ گے۔

پاپ کا سنگھار کرنے نہیں آؤ گے   دھرم کا ادھار کرنے نہیں آؤ گے
بھگتوں سے پیار کرنے نہیں آؤ گے   بھارت کا سنکٹ ہرنے نہیں آؤ گے

5۔ خان محمد صابر سیکرٹری بزم ادب خانقاہ ڈوگراں کہتے ہیں۔

مطلع ہند پہ ہیں ظلم کے بادل چھائے   اے مرے شام سدرشن کو سنبھالے آجا
ظلمت جبر میں پھر ایک جہاں ہے پنہاں   اے مرے سانولے روحوں کے اجالے آجا
ظلم ادبار کے اب حد سے بڑھے جاتے ہیں   ہم کو رسوائی و ذلت سے بچا لے آجا
تیری رحمت کا ہے دنیا میں سہارا ہم کو   رحم کر رحم غریبوں کو بچا لے آجا

6۔ لالہ جنم اشٹمی نمبر میں جناب مائل انبالوی کہتے ہیں۔

ایک رادھا کیا ہزاروں گوپیاں ہیں بے قرار   جن کی ساری زندگی کا ایک تو ہی راز ہے

(بحوالہ الفضل 2 ستمبر 1938ء صفحہ 5)

ہندوؤں کے مشہور اخبار تیج دہلی نے لکھا۔

”اب بھگوان کرشن کے جنم کی مہابھارت کے زمانہ سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ دنیا سے شرم اٹھتی جاتی ہے اور گزشتہ ایک ہزار برس سے ہندوستان میں جو آفتیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن بیسویں صدی میں سوشل زوال اور پولیٹیکل گراوٹ انتہائی حالت کو پہنچ گیا ہے۔ اگر بھاگوت گیتا میں بھگوان کا وعدہ سچا ہے۔ اس لئے بھگوان کرشن آؤ اور جنم لو۔ دنیا سے ناپاکی دور کرو غصابوں سے دنیا کو پاک کرو اور یہ وعدہ پورا کرو۔

چوں بنیاد دیں ست گردہ بسے   نما ینم خود را بشکل کسے

(الامان دہلی 23۔ اگست 1930ء)

پھر ہندو مذہب کے ماننے والے اپنے بھگوان سے التجا کرتے ہیں۔

”بھگوان اپنے اناتھ (لاوارث) بچوں کی پکار سن کر آئیے جنم اشٹمی آ گئی اور تم نہ آئے۔“

(سدرشن چکر کا کرشن نمبر 29۔ اگست 1928ء صفحہ 25)

پھر جناب لالہ رام رشامل صاحب برق نے آنے والے کے لئے شدت انتظار کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

ڈھونڈتے ہیں ہند کے دن رات تجھ کو مرد و زن   پھر ترستے ہیں ترے دیدار کو اہل وطن
پھر مئے عرفان پلا دے ساقی بزم کہن   خون دل سے سینچ دے نابادہ کش اجڑا چمن
برق دل میں ہندوؤں کے پھر لگا ایسی لگن

(پرتاپ کا کرشن نمبر 11۔ اگست 1925ء صفحہ 32)

خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ عین اس ضرورت کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح موعود بنا کر بھیجا اور آپ نے یہ دعویٰ بھی فرمایا کہ میں ہی وہ موعود کرشن ہوں جس کا انتظار ہو رہا ہے۔ مگر افسوس کہ لوگ آپ کو پہچاننے سے قاصر رہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے کشفی حالت میں بار بار مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے کہ آریہ قوم میں کرشن نام ایک شخص گزرا ہے۔ وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا اور ہندوؤں میں اوتار کا لفظ درحقیقت نبی کے ہم معنی ہے اور ہندوؤں کی کتابوں میں ایک پیشگوئی ہے اور وہ یہ کہ آخری زمانہ میں ایک اوتار آئے گا جو کرشن کے صفات پر ہوگا اور اس کا بروز ہوگا اور میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ میں ہوں کرشن کی دو صفت ہیں ایک رودّر یعنی درندوں اور سوروں کو قتل کرنے والا یعنی دلائل اور نشانوں سے دوسرے گوپال یعنی گائیوں کو پالنے والا یعنی اپنے انفاس سے نیکوں کا مددگار اور یہ دونوں صفتیں مسیح موعود کی صفتیں ہیں اور یہی دونوں صفتیں خدا تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہیں۔